ذوالفقار علی
اسکالر پی۔ایچ۔ڈی، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
پروفیسر ڈاکٹر عقیلہ بشیر
پروفیسر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
ڈاکٹر فرزانہ کوکب
استاد، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اسلوب کے تناظر میں اُردو غزل: ایک جائزہ

Zulfiqar Ali
Scholar Ph.D Urdu, BZU, Multan.
Prof. Dr. Aqila Bashir
Professor, Department of Urdu, BZU, Multan
Dr. Farzan Kokab
Assistant Professor, Department of Urdu, BZU, Multan

Urdu Ghazal in the Context of Style: A Review

"Style" generates from the admixture of words and meanings. Attractive and impressive "style" is the illustration of the status of poetry. Because of the changing requirements, trends and movements, the process of modification in "style" continues. "Style" has key importance in Urdu Ghazal and in this perspective the analysis of Urdu Ghazal is done in this article.

Key Words: *Ghazal, Style, perspective, trends.*

تخیل، تخلیقی تجربات کا اظہاریہ ہے جو زبان کے ذریعے ابلاغ پذیر ہوتا ہے۔ اسلوب، الفاظ و معنی کے امتزاج سے تشکیل پاتا ہے۔ لفظ اور اس کی اندونی بناوٹ میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ الفاظ کی صوتیات و کیفیات تغیر پذیری سے نئے اسالیب کا باعث بنتی ہیں اور اس طرح نئ تخلیقی دنیائیں وجود میں آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ کو اسلوب شعر کی جان کہا جاتا ہے۔ اسلوب عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی "راہ۔ صورت۔ طرز۔ روش۔ طریقہ۔ اُسلوب بندھنا۔ لازم۔ صورت پیدا ہونا۔ راہ نکلنا" کے ہیں۔[1] طارق سعید اسلوب کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"لفظ اسلوب انگریزی کے "Style" کے مترادف ہے۔ جب کہ یونانی میں "اسٹائیلاز"(Stylos) اور لاطینی میں اسٹائیلس (Stylus) اسلوب کا ہم معنی ہے۔"(۲)

کسی فن پارے کی وہ انفرادی خصائص جو اُس ٹکڑے کے وجود کا اظہاریہ ہوتے ہیں، اسلوب کہلاتے ہیں۔ ادبی فن پاروں میں اسلوب کو لکھاری کی شخصیت کا عکس کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شخصیت کسی اسلوب کی اسلوبی خوبیوں کو متعین کرنے میں مدد کرتی ہے۔ جس طرح زبان کے اندر اسلوب کے تفردات پنہاں ہوتے ہیں بالکل اسی طریقے سے زبان کے اندر شخصیت بھی اپنا اظہار پاتی ہے۔ اس تناظر میں ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کہنا ہے:

"اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ، ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیات) سے وجود میں آتا ہے چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتادِ طبع، فلسفۂ حیات اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل شامل ہوتے ہیں اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے"۔(۳)

علمائے ادب اسلوب کو انسان کی ذہنی آواز سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے نزدیک اسلوب خود انسان ہے۔ گویا انسان اور اسلوب لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لکھاری کے بغیر اسلوب اور اسلوب کے بغیر لکھاری کی شناخت ایک دشوار مرحلہ ہے۔ نثار احمد فاروقی نے اسلوب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اسلوب یا طرزِ نگارش کا مسئلہ ایسا نہیں جس پر کوئی فیصلہ کن اور دو ٹوک بات کہی جا سکے۔ آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ افکار و خیالات کے اظہار و ابلاغ کا ایسا پیرایہ ہے جو دلنشین بھی ہو اور منفرد بھی۔ اسی کو انگریزی میں (Style) کہتے ہیں۔ اردو میں اس کے لیے طرز یا اسلوب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور عربی اور جدید فارسی

میں اسی کو 'سُبک' کہتے ہیں۔ ان الفاظ کی اصل پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلوب میں ترصیع یا صناعی (Ornamentation) کا مفہوم شامل رہا ہے۔"(۴)

پروفیسر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی اسلوب کے حوالے سے استدلالی رائے نئے نکات کو سامنے لاتی ہے:

"اسلوب (Style) کوئی نیا لفظ نہیں ہے۔ مغربی تنقید میں یہ لفظ صدیوں سے رائج ہے۔ اردو میں اسلوب کا تصور نسبتاً نیا ہے۔ تاہم زبان و بیان، انداز، انداز بیان، طرز بیان، طرز تحریر، لہجہ، رنگ، رنگ سخن وغیرہ اصطلاحیں اسلوب یا اس سے ملتے جلتے معنی میں استعمال کی جاتی رہی ہیں۔ یعنی کسی بھی شاعر یا مصنف کے انداز بیان کے خصائص کیا ہیں یا کسی صنف یا ہیئت میں کس طرح کی زبان استعمال ہوئی ہے یا کسی عہد میں زبان کیسی تھی اور اس کے خصائص کیا تھے وغیرہ وغیرہ یہ سب اسلوب کے مباحث ہیں۔ ادب کی کوئی پہچان اسلوب کے بغیر مکمل نہیں۔"(۵)

لفظ زبان کی اکائی ہے اور تخلیق کار الفاظ کی صوتیات کو منظم کرتے ہیں۔ اکثر شعراء کے اسلوب میں الفاظ کو معنی پر تفوق حاصل ہوتا ہے۔ لفظ کو اس کی ضرورت کے مطابق سلیقے سے استعمال کرنا تخلیق کار کو ارفع مقام پر متعین کرتا ہے۔ اسی لیے غزل کی تنقید میں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ کوئی لفظ ثقیل یا مبہم نہ ہونے پائے۔ شاعر درست معنی اور چست الفاظ کی تلاش میں رہتا ہے وہ الفاظ کے نئے نئے مجموعے اور مماثلتوں کا بھی متلاشی رہتا ہے۔ سوسن لینگر شاعرانہ اسلوب کی تشکیل میں الفاظ کی اہمیت و وسعت کے متعلق لکھتے ہیں:

"الفاظ کی اصوات، ان کی رفتار، سلسلہ افکار کا رابطہ زمانی، تمثالوں کی خیال افروزی، فرضی باتوں میں حقیقت کی جھلکیاں، آشنا حقیقتوں میں افسانوی دلچسپیاں، کسی کلیدی لفظ یا ترکیب کے ذریعے ایک پوری عبارت کے معنوں کی طلسم کشائی اور ان سے بڑھ چڑھ کر الفاظ کی موسیقی اور ان کا آہنگ تواتر وغیرہ شامل ہیں"(۶)

الفاظ کو اسلوب شعر کی جان کہا جاتا ہے۔ کسی بھی شاعر کا اسلوب الفاظ و معنی کے سنگم اور امتزاج ہی سے تشکیل پذیر ہوتا ہے۔ جس سے وہ افکار و خیالات کے جہانِ نو تخلیق کرتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے "شعر العجم" میں لکھا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ شاعری کا مدار زیادہ تر اسلوب پر ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاعر کو صرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہیے اور معنی سے بالکل بے پروا ہو جانا چاہیے۔"(۷)

متاثر کن اور دلکش اسلوب شعر و سخن کے معیاری ہونے کا مظہر و ضامن ٹھہرتا ہے۔ تخلیقی فن پارے کی پرکھ اور جانچ کے لیے اور اس کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر دینے کے لیے اسلوب کی حیثیت اور قدر و قیمت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں، رجحانات اور تحریکوں کے زیر اثر اسالیب میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ شاعری کے مؤثر اور دلکش اسلوب میں ہم آہنگی اور توازن پایا جاتا ہے اور اسی پر مؤثر تخلیق کا انحصار ہوتا ہے۔ شاعر کے پاس زبان اور اس کے صوتی اتار چڑھاؤ کے علاوہ تخلیقی تجربے کو بیان کرنے کا کوئی اور وسیلہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اسے اپنے خیالات کو گرفت میں لینے کے لیے اپنی لفظیات سے موزوں و مناسب آوازیں اور معنی کی کڑیاں درکار ہوتی ہیں اور وہ الفاظ و معنی کی ان کڑیوں سے اپنے تخیلات اور تجربات کو ایک وحدت کی شکل دیتا ہے۔

ولیؔ دکنی سے قبل کی غزل میں اُردو زبان اپنے تشکیلی مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس دور کی غزل علاقائی زبانوں کے الفاظ اور تصوف کے موضوعات لئے ہوئے تھی۔ ولیؔ دکنی کے ہاں اردو غزل کا پہلا باقاعدہ اسلوب نظر نواز ہوتا ہے۔

ے قطب شہ نہ دے مجھ دوانے کو پند
دوانے کو کچھ پند دیا جائے نا

(قلیؔ قطب شاہ)

ے میں جو رویا تو تو سمجھ کے دھواں
بے سبب آنکھ کوں رُلاتا ہے

(قاضی محمود بحریؔ)

؎خوب رُو، خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

(ولیؔ دکنی)

اُردو کے دورِ زریں میں اردو غزل کا تہذیب یافتہ اسلوب ملتا ہے۔ مرزا سوداؔ کو زبان پر ایسی قدرت حاصل تھی کہ اُردو شاعری میں اس خصوصیت کا حامل کوئی دوسرا شاعر نہیں ملتا۔ جب کہ میر تقی میرؔ نے اپنی غزل کے اشعار میں اپنے عہد کے حالات و واقعات اور تباہی و غارت گری کو خوب صورت تلازمات میں پیش کیا۔ انہوں نے اپنے عہد کی تباہی و بربادی کو اپنی ذات کے اندر محسوس کرتے ہوئے دل کو دلی کا استعارہ بنادیا۔ یہی وجہ ہے کہ میرؔ کا اسلوب جاندار اور توانا اسلوب ہے۔ اسی طرح دردؔ کے ہاں تصوف کے تلازمات اور لفظیات، ان کے اسلوب کی تشکیل کرتے ہیں:

؎خدا کے واسطے سوداؔ نہ لے تو نام اس کا
غضب کرے ہے تری گفتگو مرے دل پر

(مرزا رفیع سوداؔ)

؎دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

(میر تقی میرؔ)

؎قاصد نہیں یہ کام ترا، اپنی راہ لے
اُس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

(میر دردؔ)

مرزا غالبؔ سے قبل اردو غزل مابعد الطبیعات کے زیر اثر تھی۔ محبوب خیالی تھا۔ محض خیالی موضوعات پر اشعار کہے جاتے تھے۔ ہماری غزلیہ روایت میں مرزا غالبؔ وہ پہلے شاعر ہیں جن کے ہاں گوشت پوست کا اور سانس لینے والا محبوب نظر آتا ہے۔ اس سے غزل کا ایک نیا اسلوب وجود میں آیا۔ غالبؔ کے بعد یگانہؔ اور پھر حسرتؔ موہانی کے ہاں بھی یہی اسلوب نظر آتا ہے:

؎دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

(مرزا غالبؔ)

؎پڑے ہو کون سے گوشے میں تنہا
یگانہؔ! کیوں خدائی ہو چکی بس!

(یگانہؔ چنگیزی)

دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے
وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے

(حسرتؔ موہانی)

جنگ آزادی کے بعد اردو غزل میں نئے اسالیب وجود پذیر ہوئے۔ علی گڑھ تحریک کے مقصدی ادب، انجمن پنجاب کے نظمیہ مشاعروں کی سرکاری سرپرستی اور مولانا الطاف حسین حالیؔ کی اصلاح غزل کی تحریک نے بھی نئے اسالیب غزل کو جنم دیا۔ شعرائے لکھنو صفیؔ لکھنوی، ثاقبؔ لکھنوی، عزیزؔ لکھنوی، آرزو لکھنوی وغیرہ نے حالیؔ کی اتباع کرتے ہوئے غزل کے رنگِ تغزل میں داخلیت، اصلیت اور سادگی کے اچھوتے رنگ شامل کیے جس سے غزل کا ایک نیا اسلوب وجود میں آیا:

؎ممنون ہوں جہاں کے نشیب و فراز کا
اکثر بگڑ کے خود میری حالت سنبھل گئی

(صفیؔ لکھنوی)

؎دل کے قصے کہاں نہیں ہوتے
ہاں، وہ سب سے بیاں نہیں ہوتے

(ثاقبؔ لکھنوی)

؎دن کٹ گیا فراق کا، لو رات آگئی
میں جس سے ڈر رہا تھا وہی بات آگئی

(عزیزؔ لکھنوی)

؎آرزوؔ جلتے ہوئے دل کے شرارے ہیں یہ اشک
آگ پانی کے کٹوروں میں لیے بیٹھا ہوں

(آرزوؔ لکھنوی)

اِسی طرح شعرائے دہلی بیخودؔ دہلوی، سائلؔ دہلوی، راسخؔ دہلوی وغیرہ نے غزل کی قدیم روایات کو نئے موضوعات اور نئے اسالیب سے ہم آہنگ کیا:

؎راہ میں بیٹھا ہوں میں تم سنگِ رہ سمجھو مجھے
آدمی بن جاؤں گا کچھ ٹھوکریں کھانے کے بعد

(بیخودؔ دہلوی)

؎ہمیشہ خون دل رویا ہوں میں، لیکن سلیقے سے
نہ قطرہ آستیں پر ہے، نہ دھبہ جیب و داماں پر

(سائل دہلوی)

؎بشر کو چاہیے پاسِ دلِ بشر رکھے
کسی کا ہو کے رہے یا کسی کو کر رکھے

(راسخؔ دہلوی)

بیسویں صدی تغیر و تبدل کی صدی ہے۔ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح ادب، بطور خاص غزل کی لفظیات میں بھی انقلابی تبدیلیاں آئیں۔ مختلف ادبی تحریکوں، رومانی تحریک، ترقی پسند تحریک، حلقہ اربابِ ذوق،

جدیدیت، پس جدیدیت وغیرہ غزل کے اسالیب میں بھی تغیر و تبدل کا باعث بنیں۔ درج ذیل چار اسالیب رواج پذیر ہوئے:

الف:	امتزاجی اسلوب
ب:	اجتہادی اسلوب
ج:	تحیراتی اسلوب
د:ن	یارومانوی اسلوب

**الف:	امتزاجی اسلوب:**

روایت سے وابستہ رہتے ہوئے نئے اسلوب کو تشکیل دینا، امتزاجی اسلوب کہلاتا ہے۔ بیسویں صدی کے زیادہ تر شاعر امتزاجی اسلوب کے حامل ہیں۔ امتزاجی اسلوب کے حامل شعراء نے پڑھے لکھے اور باشعور احباب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ فیض احمد فیضؔ، ناصرؔ کاظمی، احمد مشتاقؔ، شکیبؔ جلالی اور شہر یار امتزاجی اسلوب کے اہم شعراء ہیں۔ ان شعراء کے ہاں لفظوں کا احترام، روایت کی پاسداری اور مفاہیم کا پس منظر امتزاجی اسلوب کو دل گرفتہ بناتا ہے:

؎ غمِ جہاں ہو، رُخِ یار ہو کہ دستِ عُدو
سلوک جس سے کیا ہم نے، عاشقانہ کیا
(فیض احمد فیضؔ)

؎ کچھ یادگارِ شہرِ ستم گر ہی لے چلیں
آئے ہیں اس گلی میں تو پتھر ہی لے چلیں
(ناصرؔ کاظمی)

؎ تو دیارِ حسن ہے اونچی رہے تیری فصیل
میں ہوں دروازہ محبت کا، کھلا رہتا ہوں میں
(احمد مشتاق)

؎آ کے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پسِ دیوار گرے
(شکیبؔ جلالی)

؎ان کے پیچھے نہ چلو،ان کی تمنا نہ کرو
سائے پھر سائے ہیں کچھ دیر میں ڈھل جائیں گے
(شہریار)

ب: اجتہادی اسلوب:

بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں کچھ شاعروں کے ہاں ایک نیا اسلوب نظر نواز ہوتا ہے جو روایتی غزل سے الگ پہچان رکھتا ہے۔اسے اجتہادی اسلوب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اجتہادی اسلوب میں ظاہری سطح پر سادگی مگر اس سادگی کے پس منظر میں فکری پیچیدگی بھی موجود ہے۔اجتہادی اسلوب کے سرخیل ظفرؔ اقبال نے نئے تلازمات سے نیا اسلوب پیدا کیا ہے۔اجتہادی اسلوب میں بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ متغیر اور نئے الفاظ کا ورود اور استعاروں کا تغیر و تبدل مفاہیم میں وسعت پیدا کرتا ہے۔اجتہادی اسلوب کے نمایاں شاعروں میں ظفرؔ اقبال،ساقیؔ فاروقی،وہاب دانشؔ وغیرہ شامل ہیں:

؎غریبِ شہر ہوں،سڑکوں پہ ہے سفر میرا
ہوا کی طرح کوئی گھاٹ ہے نہ گھر میرا
ظفرؔ اقبال)

؎اک سرو کی خوش قامتی آنکھوں میں بسی تھی
جو ذلت دنیا سے بچا لے گئی ہم کو
(ساقیؔ فاروقی)

؎گہرے نیلے پانیوں میں جانے کیا انجام ہو
سانس لے لیں اس جزیرے کی ہوا ہے آخری
(وہاب دانشؔ)

ج: **تحیراتی اسلوب:**

۱۹۶۰ء کے بعد ہماری نئی اردو غزل میں ہماری پرانی تہذیب کے زندہ و جاوید عناصر کے انجذاب کی کوششوں نے اردو غزل کو ایک نیا اسلوب عطا کیا جسے تحیراتی یا استعجابی اسلوب کہا جاتا ہے۔ غزل کا تحیراتی اسلوب عقلیت کی منطقیت سے انکار کرتے ہوئے حیرت و استعجاب کی بازیافت سے اپنا رشتہ مضبوط کرتا ہے۔ منیرؔ نیازی، محمد علویؔ اور پرکاش فکریؔ وغیرہ کے ہاں تحیراتی اسلوب کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

؎ ایک اور دریا کا سامنا تھا منیرؔ مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

(منیرؔ نیازی)

؎ ایک تنکے کی طرح ہیں ہم لوگ
وقت کے بہتے ہوئے دریا میں

(محمد علویؔ)

؎ بیریوں کے جھنڈ میں جو پیڑ ہے سوکھا ہوا
بھولے بھٹکے آئیں گے اس پر بھی پتھر دیکھنا

(پرکاش فکریؔ)

د: **نیا رومانوی اسلوب:**

بیسویں صدی کے نصف آخر میں اردو غزل کا نیا رومانوی اسلوب ظہور پذیر ہوا۔ اردو غزل کے اسلوب میں رومانوی موضوعات کو پیش کرنے میں تغیر و تبدیلی آئی۔ روایتی غزل کی طرح عاشق کا اپنے آپ کو محبوب کو سپرد کر دینے کے مضامین میں ایک طرح کی تبدیلی آئی۔ نیا رومانوی اسلوب، عشق و عاشقی کے مضامین کے بجائے وفورِ جذبہ سے پہچانا جانے لگا۔ رومانوی اسلوب کے نمائندہ شعراء میں ندا آفاضلی، افتخار عارفؔ، بشیر بدرؔ، پروین شاکر وغیرہ شامل ہیں:

؎ اب کسی سے بھی شکایت نہ رہی
جانے کس کس سے گلہ تھا پہلے

(ندآ فاضلی)

؎ تمام خانہ بدوشوں میں مشترک ہے یہ بات
سب اپنے اپنے گھروں کو پلٹ کے دیکھتے ہیں

(افتخار عارفؔ)

؎ کیوں حویلی کے اجڑنے کا مجھے افسوس ہو
سیکڑوں بے گھر پرندوں کے ٹھکانے ہو گئے

(بشیر بدرؔ)

؎ کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

(پروین شاکرؔ)

اردو غزل کی تنقید میں اسلوب کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اسلوب اور اندازِ بیان ہی وہ خصوصیات ہیں جو کسی شاعر کو دوسرے شعراء سے ممتاز و منفرد کرتے ہیں۔ سیفؔ نے بجا کہا تھا:

؎ سیف انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

(سیف الدین سیفؔ)

گذشتہ پانچ صدیوں سے غزل موضوع سخن رہی ہے۔ اردو غزل کے شعراء کے ہاں اکثر ایک سے موضوعات رہے ہیں جو ہر دور کے شعراء نے اپنائے۔ تمام ادوار میں کئی سو شعراء ہوئے ہیں لیکن یہ محض اسلوب اور انداز بیاں ہی ہے جس کی بدولت سے ہر دور میں چند شعراء کو تخصص حاصل رہا۔ کسی موضوع یا خیال کا اسلوب، انداز بیان، پیش کش یا کرافٹ اس کی اہمیت اور وقعت کو متعین کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نورالحسن نیرؔ، مولوی، مؤلف:نوراللغات (اول)، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن طبع سوم ۲۰۰۶ء، ص ۳۱۱

۲۔ طارق سعید ''اسلوب و اسلوبیات''، لاہور، نگارشات، ۱۹۹۹ء، ص ۲۳۔

۳۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، (مرتبہ) ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان س۔ن، ص ۱۳۔

۴۔ بحوالہ ڈاکٹر سرور ساجد، ۱۹۶۰ء کے بعد کی غزل کا اسلوبیاتی مطالعہ، رانچی، عنبر پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۱۲۔

۵۔ بحوالہ ڈاکٹر سرور ساجد، ۱۹۶۰ء کے بعد کی غزل کا اسلوبیاتی مطالعہ، رانچی، عنبر پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۱۷۔

۶۔ سوسن کے لینگر، فلسفے کا نیا آہنگ، (ترجمہ)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع دوم، ۱۹۷۰ء، ص ۲۰۰۔

۷۔ شبلی نعمانی، شعر العجم، جلد چہارم، لاہور، انجمن حمایت الاسلام، ۱۹۷۶ء، ص ۴۳